شاہد حسین رزاقی

جمعیۃ المحمدیہ
انڈونیشی مسلمانوں کی دینی، تعلیمی اور معاشرتی تنظیم

ولندیزیوں کی مخالف اسلام پالیسی

انڈونیشیا پر ولندیزیوں نے تین صدیوں تک حکومت کی اور ان کی سامراجی پالیسی مغرب کی دوسری سامراجی قوموں کی پالیسی سے زیادہ تباہ کار اور تشدد پسند تھی۔ ولندیزی حکمران یہ خوب جانتے تھے کہ جغرافیائی حالات، تاریخی ارتقار، نسلی و علاقائی تعصّب اور تہذیب و معاشرت اور زبان کے شدید اختلافات کی وجہ سے انڈونیشیا میں جو تفریق و انتشار موجود ہے اس سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنی حکومت و اقتدار کو قائم و محفوظ رکھ سکتے ہیں اس لیے انھوں نے ایسی پالیسی اختیار کی جو ان اختلافات کو بڑھاتی رہے اور اہلِ ملک میں اتحاد و تعاون کبھی پیدا نہ ہو سکے۔ اپنے سامراجی مفاد اور سیاسی اقتدار کے لیے ولندیزی اسلام کو سب سے بڑا خطرہ سمجھتے تھے کیونکہ وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ اس ملک کے باشندے اسلام کے شیدائی ہیں اور یہ ایسی زبردست قوت ہے جو تمام اختلافات پر غالب آ کے اتحاد و مرکزیت پیدا کر دیتی ہے۔ اور اسلام کے نام پر جو تحریک چلائی جاتی ہے وہ ملک گیر بن جاتی ہے۔ امام بونجول نے دین کی حفاظت اور وطن کی آزادی کو اپنا مقصد قرار دے کر ۱۸۲۳ء میں جہاد کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس کو دیپونیگورو اور تیکو عمر نے انیسویں صدی کے آخر تک جاری رکھا تھا اور اس تحریک کی مقبولیت اور جنگوں کی شدت سے ولندیزیوں کو پوری طرح یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ انڈونیشیا میں اسلام کتنی بڑی طاقت ہے اور اسلام کا پرچم بلند کرنے والی تحریکیں ان کے لیے کس قدر زبردست خطرہ ہیں۔ چنانچہ اس خطرے کا انسداد کرنے کے لیے انھوں نے جو پالیسی اختیار کی اس کے بنیادی اصول یہ تھے کہ انڈونیشی مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے دور کر دیا جائے، اور

عیسائیت کی سرپرستی کر کے اس کی تبلیغ و اشاعت میں ہر طرح سے امداد کی جائے۔

گمراہ کن نظریات کی اشاعت

اپنے ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ولندیزی حکومت نے اسلامی تعلیمات کے مخالف مغربی نظریات کی خوب اشاعت کی تاکہ لوگوں میں وطنی اور مقامی تعصبات پوری طرح پھیل جائیں اور اس کے ساتھ ہی جدید تعلیم یافتہ طبقے میں یہ خیال ذہن نشین کر دیا جائے کہ اسلام ایک رجعت پسند مذہب ہے اور اس سے عوام کی گہری وابستگی ملک و قوم کے زوال کا سبب ہوتی ہے۔ چنانچہ ولندیزی مفکروں، مورخوں، مصنفوں اور تعلیمی اداروں نے بڑی شدت سے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ انڈونیشیا ہندوؤں کے عہدِ حکومت میں قومی عظمت کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ گیا تھا جسے مسلمانوں کے عہدِ حکومت نے خاک میں ملا دیا اور اب انڈونیشیا اسی صورت میں ترقی کر سکتا ہے کہ وہ ہندو دور کی تجدید کو اپنا قومی نصب العین قرار دے اور اسلامی عہد کے اثرات سے نجات حاصل کرے۔ ولندیزیوں کے اس پروپیگنڈے کا انڈونیشی عوام پر تو کوئی اثر نہیں ہوا لیکن جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس سے متاثر اور گمراہ ہونے لگا۔ حکومت نے ان لوگوں کی خوب حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی اور اس کے پروردہ لوگوں میں سے کچھ ایسے نام نہاد منکرِ اسلام سامنے لائے گئے جن کے ذریعہ گمراہ کن نظریات کی اشاعت کی جانے لگی۔ مثلاً یہ کہ پیغمبرِ اسلام صلعم عرب تھے اور انھوں نے جو احکام دیے ہیں ان پر عربوں کو تو بجنسہٖ عمل کرنا چاہیے لیکن انڈونیشی مسلمان ان احکام پر ایسی شکل میں عمل کریں جس کو خود انڈونیشی فقہا مناسب سمجھیں اور اس مناسب شکل سے ان لوگوں کا مطلب کیا تھا اس کا اندازہ حج کے متعلق ان کے اس نظریہ سے ہو سکتا ہے کہ اسلام نے حج کرنے کا حکم دیا ہے اور انڈونیشی مسلمان حج کو بہت اہمیت دیتے ہیں اس لیے حج ضرور کیا جائے لیکن حج کے لیے مکہ جانا اور خانہ کعبہ کا طواف کرنا کیوں ضروری ہو۔ حج یوں بھی ہو سکتا ہے کہ انڈونیشی مسلمان خود انڈونیشیا میں ایک مرکزی مقام پر جمع ہوں اور بورو بودو کے عظیم الشان تاریخی مندر کا طواف کر لیں۔ ولندیزیوں کے کارندے ان گمراہ کن نظریات کو حبِّ وطن اور قومی وقار کا تقاضا کہتے تھے لیکن انڈونیشی مسلمانوں نے ان کی شدید مذمت کی اور اس کا ردِ عمل اس قدر جوش و خروش سے ہوا کہ ولندیزی اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے۔ اور اس کا بہت مفید نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی تعلیمات کی اشاعت کی تحریکیں شروع ہو گئیں۔

عیسائی تبلیغی اداروں کی سرپرستی

انڈونیشیا میں عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت سے ولندیزیوں کا مقصد مذہبی سے زیادہ سیاسی تھا ان کا یہ خیال تھا کہ اگر آبادی کی بڑی تعداد عیسائی ہو گئی تو ان کا سیاسی اقتدار ہمیشہ کے لیے مستحکم ہو جائے گا چنانچہ حکومت عیسائی مذہبی اداروں کی سرپرستی کرنے لگی۔ ۱۹۰۱ء میں جب ہالینڈ میں کیتھولک پارٹی برسرِاقتدار تھی، تاج شاہی کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ ایک عیسائی ملک ہونے کی بنا پر ہالینڈ شرق الہند میں عیسائیوں کی حالت کو بہتر بنانے پر مجبور ہے۔ چنانچہ ولندیزی حکومت اس ملک میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے والوں کی پوری امداد کرے گی اور نئے عیسائیوں کو زیادہ سے زیادہ مراعات دے گی۔ ۱۹۰۸ء میں اس اعلان کی پھر تجدید کی گئی اور عیسائیت کو بہ جبر پھیلانا اور عیسائی تبلیغی اداروں کی سرپرستی کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ انڈونیشی عوام اور رہنماؤں پر اس کا شدید ردِّ عمل ہوا اور انھوں نے اس پالیسی کو اپنے مذہب اور وطن کے لیے بہت بڑا خطرہ قرار دیا۔ انڈونیشی رہنما حج کے لیے جب مکہ گئے تو دوسرے ممالک کے ممتاز مسلمانوں سے مشورہ کیا اور سارے انڈونیشیا میں اسلام کے خلاف تحریکوں اور عیسائیت کی اشاعت کو روکنے کے لیے ایک مؤثر پروگرام بنایا گیا۔ چنانچہ مسجدوں، خانقاہوں، مدرسوں اور ہر قسم کی محفلوں میں جہاں کہیں بھی مسلمان جمع ہوتے ان کو حکومت کی مذہبی پالیسی کے خطرات سے آگاہ کیا جاتا اور اسلام کی حفاظت کے لیے منظم و متحد ہونے کی ضرورت و اہمیت بیان کی جاتی۔ اس تحریک نے اس قدر ترقی کی، اور اتنی وسعت اختیار کر لی کہ آخر کار اسی بنیاد پر انڈونیشی مسلمانوں کی سب سے پہلی عظیم الشان تنظیم شرکت اسلام قائم ہوئی جس نے اسلامی نظریۂ حیات کی تجدید کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ شرکت اسلام کے بانی اور قائد حاجی عمر سعید چکرو آمنوتو جمال الدین افغانی سے بہت متاثر تھے اور اسلامی انقلاب کے داعی اور وطن کی آزادی اور بین الاسلامی اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ ان کی قیادت میں اسلامی تحریکوں کو بہت فروغ ہوا اور ولندیزی پالیسی ناکام بنا دی گئی۔

غیر اسلامی اثرات

انڈونیشی رہنماؤں نے سب سے پہلے تو ولندیزیوں کی مخالفِ اسلام کوششوں کو ناکام بنایا اور پھر غیر اسلامی اثرات کو ختم کرنے پر متوجہ ہوئے۔ ولندیزی حکومت کے کارندوں نے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو گمراہ کرنے کے لیے حب وطن اور قومی وقار کا نام لے کر جو غیر اسلامی نظریات پیش کیے تھے ان کا انسداد

کرنے کے ساتھ ہی ان رہنماؤں کو ایسے عقائد و نظریات کو بھی ختم کرنا تھا جو عوام کی جہالت اور غیر اسلامی اثرات کا نتیجہ تھے۔ انڈونیشیا پر ابتدا ہی سے مختلف تہذیبوں اور مذاہب کے اثرات پڑتے رہے اور اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی اہلِ انڈونیشیا غیر اسلامی اثرات سے پوری طرح نجات حاصل نہ کر سکے۔ اس ملک میں اسلام کی اشاعت کرنے میں صوفیوں اور گجراتی مسلمانوں نے بہت اہم حصہ لیا تھا۔ گجراتی مسلمان تو خود بھی ہندوستان میں رہنے کی وجہ سے ہندو اثرات سے پوری طرح محفوظ نہ تھے اور صوفیا نے جن میں جاوا اور سماٹرا کے چند مشہور مبلغ بھی شامل ہیں انتہائی رواداری سے کام لیا اور بعض ایسی روایات اور رسوم و رواج سے بھی تعرض نہ کیا جو اسلامی عقائد کے خلاف تھے۔ قدیم اثرات کے تحت انڈونیشی عوام راسخ عقائد کے بجائے تصوف و طریقت کی طرف زیادہ مائل ہو گئے اور اسلام کی تعلیمات کو صوفیوں کے تصورات سے ہم آہنگ کرنے کی کوششیں کی جانے لگیں۔ عوام جاہل تھے اور شریعت و رواج کے فرق کو محسوس نہ کر سکتے تھے۔ وہ شریعت اور رواج دونوں کو بہت اہم سمجھتے تھے اور اس پر غور نہ کرتے تھے کہ رواج شریعت کے مطابق ہے یا نہیں۔ چونکہ لوگ ان دونوں کو ضروری خیال کرتے تھے۔ اس لیے شریعت کو حکم اور رواج کو عادات کہا جانے لگا اور یہ تصوّر کر لیا گیا کہ حکم وہ ہے جو اللہ کہتا ہے اور رواج وہ ہے جو اللہ روا رکھتا ہے' اس لیے لوگوں کو دونوں پر عمل کرنا چاہیے۔ اسلام کے خلاف رواج کو باقی رکھنے کے جواز میں اس کے حامیوں نے یہ دلیل پیش کی کہ عادات اس لیے باقی ہیں کہ اللہ نے ان کو روا رکھا ہے اور جب اللہ نے ان کو روا رکھا ہے تو پھر ان کو اختیار بھی کیا جا سکتا ہے۔ شریعت اور رواج میں اختلاف کو صوفیوں نے محض ظاہری اختلاف قرار دیا اور ان کو ایک ہی ثابت کرنے کے لیے اپنے مخصوص انداز میں حکم اور عادات کو آنکھ کی سفیدی اور سیاہی سے تشبیہہ دینے لگے۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے غیر اسلامی اثرات کی جڑیں بہت دُور تک پھیل گئی تھیں اور ان برائیوں کو ختم کرنا بہت مشکل کام تھا لیکن انڈونیشی رہنما یہ محسوس کرتے تھے کہ جب تک یہ اثرات ختم نہ کیے جائیں گے انڈونیشی معاشرے کو اسلامی بنانے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اور یہ ایک ایسا اہم اور عظیم مقصد ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے ثابت قدمی کے ساتھ نہایت منظم اور مؤثر جد و جہد کرنے کی ضرورت ہے۔

جمعیۃ المحمدیہ کا قیام

شرکت اسلام ایک اسلامی سیاسی تحریک تھی جو عوام میں سیاسی بیداری اور اسلامی شعور پیدا کر کے آزاد اسلامی مملکت قائم کرنا چاہتی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کی سرگرمیوں پر سیاست غالب آگئی اور اس کے بعض ممتاز رہنما یہ محسوس کرنے لگے کہ مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی، ثقافتی اور معاشری ترقی کے لیے شرکت اسلام کی ایک ذیلی جماعت قائم کرنا بہت ضروری ہے۔ آخرکار بہت غور و خوض کے بعد یہ طے کیا گیا کہ شرکت اسلام اپنی کوششوں کو ولندیزی سامراج سے آزادی اور اسلامی مملکت کے قیام پر مرتکز کر دے اور انڈونیشی عوام کی دینی اور معاشرتی حالت کو بہتر بنانے، اسلام کو غیر اسلامی اثرات سے پاک کرنے، جدید افکار کی روشنی میں اسلامی نظریات کا مطالعہ کر کے موجودہ مسائل کو ان کے مطابق حل کرنے، مسلمانوں کے نظام تعلیم کی اصلاح کر کے وسیع پیمانے پر تعلیم کی اشاعت کرنے اور مخالفین کے حملوں اور ان کی سازشوں سے اسلام کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک نہایت وسیع تنظیم قائم کی جائے جو شرکت اسلام سے مربوط رہے۔ یہ کام بہت اہم تھا اور اس کو انجام دینے کی ذمہ داری حاجی احمد دحلان نے قبول کی جو شرکت اسلام کے ایک ممتاز ترین رہنما اور نہایت مشہور عالم تھے انھوں نے ۱۸ نومبر ۱۹۱۲ء کو جوگجا کارتا میں یہ تنظیم قائم کی اور اس کا نام جمعیۃ المحمدیہ رکھا۔

حاجی احمد دحلان

جمعیۃ المحمدیہ کے موسس حاجی احمد دحلان کا شمار انڈونیشیا کے عظیم ترین رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم دین، اسلامی تحریک کے رہنما اور قومی انقلاب کے زعیم تھے۔ احمد دحلان ۱۸۶۸ء میں جگجاکارتا کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق علماء و مبلغین کے ایک ممتاز اور دولت مند خاندان سے تھا۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے دینی مدرسے میں ہوئی اور ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ دینی علوم کی تکمیل کے لیے مکہ معظمہ گئے۔ جہاں عربی زبان، عربی ادب، قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، فلسفہ اور منطق میں تکمیل کی سند حاصل کی۔ مکہ میں وہ بڑے بڑے علماء اور دنیائے اسلام کے زعماء سے متعارف ہوئے۔ اسلامی ممالک کی نئی تحریکوں اور تجدید پسند رہنماؤں کے نظریات کا غائر مطالعہ کیا اور اپنے ملک کے مسائل کو حل کرنے کی کچھ واضح تجاویز لے کر وطن واپس آئے۔ چنانچہ وہ ملک کی سیاسی، دینی اور تعلیمی سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لینے لگے اور

اپنے خیالات کی اشاعت کے لیے ایک ادارہ مدرسۂ محمدیہ کے نام سے قائم کیا۔

جمعیۃ المحمدیہ کے قیام کے بعد احمد دحلان نے اس کے مقاصد کی اشاعت کے لیے تمام ملک کا دورہ کیا۔ عوام میں تعلیم کی اشاعت پر بہت زور دیا۔ اور دین کو خرافات سے الگ کر کے اسلامی زندگی اختیار کرنے اور غیر اسلامی اثرات کو ختم کر کے اسلام پر مبنی ثقافت و معاشرت کو فروغ دینے کی ضرورت واضح کی۔ احمد دحلان بڑے روشن خیال عالم تھے۔ انھوں نے اس بات پر بہت زور دیا کہ مسلمان براہِ راست کتاب اللہ سے ہدایت حاصل کریں اور ما و شما کے نظریات کے بجائے قرآنی تعلیم کو پیشِ نظر رکھیں۔ وہ کورانہ تقلید کے سخت مخالف اور اجتہاد کے حامی تھے اور انڈونیشی مسلمانوں کو غیر اسلامی عقائد اور برہمنی اور بدھی اثرات سے آزاد کر کے اسلام کی صحیح تعلیم سے عوام کو آگاہ کرنا ایک بنیادی فرض تصور کرتے تھے۔ اور جمعیۃ المحمدیہ کے قیام سے ان کے خیالات کی بہت وسیع اشاعت ہونے لگی۔

بنیادی مقاصد

حاجی احمد دحلان نے حاجی عمر سعید اور دوسرے ممتاز رہنماؤں کے مشورے سے جمعیۃ المحمدیہ قائم کی اور اس کا جو دستور بنایا گیا اس میں جماعت کے بنیادی مقاصد یہ قرار دیے گئے:

۱۔ مسلمانوں کی دینی اور معاشرتی اصلاح کرنا۔

۲۔ مسلمانوں کو غیر اسلامی عقائد اور کورانہ تقلید سے آزاد کرنا۔

۳۔ قرآنی تعلیمات کو اس طرح پیش کرنا کہ وہ موجودہ مسائل کو حل کرنے میں رہنمائی کریں۔

۴۔ اسلامی اصولوں کو نظامِ تعلیم کی اساس بنانا اور تعلیم کی وسیع اشاعت کرنا۔

۵۔ اسلامی علوم کی تجدید و ترقی کے ساتھ ساتھ جدید علوم و فنون کی بھی تعلیم دینا۔

۶۔ اسلامی نظامِ حیات کی تجدید کے لیے زندگی کے مختلف شعبوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق درست کرنا۔

۷۔ مسلمانوں کی معاشرتی، دینی اور تعلیمی اصلاح و ترقی کے لیے ادارے قائم کرنا۔

۸۔ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی دینی و عصری تعلیم دینا اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنا۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے جمعیت نے تمام ملک میں بکثرت اسلامی مدارس اور کتب خانے

قائم کیے۔ ملایائی اور جاوی زبان میں قرآن پاک کے ترجموں کی وسیع اشاعت کی۔ معاشرتی اصلاح کے ادارے، شفاخانے، یتیم خانے، محتاج خانے اور دوسرے امدادی ادارے قائم کیے۔ زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے اور ان کو مفید کاموں پر صرف کرنے کا انتظام کیا۔ عورتوں کے حقوق کی حفاظت کرنے اور ان کو دینی و عصری تعلیم دینے کے لیے جمعیۃ العائشیہ کے نام سے جمعیۃ المحمدیہ کی ایک ذیلی تنظیم قائم کی گئی جس نے نمایاں اہمیت حاصل کرلی۔

تحریکِ تجدد کے اثرات

جمعیۃ المحمدیہ کے مقاصد اور سرگرمیوں پر اس دور کے تجدید پسندوں کا بہت اثر پڑا۔ حاجی عمر سعید، حاجی احمد دحلان، حاجی منصور اور ڈاکٹر ابو حنیفہ جو اس تنظیم اور انڈونیشیا میں اسلامی تحریک کے بہت ممتاز رہنما تھے، سید جمال الدین افغانی اور مفتی محمد عبدہٗ کے خیالات سے بہت متاثر تھے۔ افغانی کی تحریک نے ہر ملک کے مسلمانوں میں قومی اور دینی بیداری پیدا کردی تھی۔ انڈونیشی مسلمان بڑی تعداد میں حج اور تعلیم کے لیے مکہ جاتے تھے۔ وہاں وہ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے ملتے تھے اور اسلامی دنیا کی تحریکوں سے آگاہ اور متاثر ہوکر وطن واپس آتے تھے اور اپنے ملک میں ان خیالات اور نظریات کی اشاعت کرتے تھے۔ انڈونیشیا میں دینی درسگاہیں بڑی تعداد میں تھیں اور ان میں تعلیم دینے کے لیے مصری استاد بلائے جاتے تھے یہ استاد جامعہ ازہر کے تعلیم یافتہ ہوتے تھے اور اس زمانے میں اس جامعہ کے استاد اور طلباء سب ہی جمال الدین افغانی اور محمد عبدہٗ کی تحریکوں کے پُرجوش مبلغ تھے۔ چنانچہ ان مصری استادوں نے انڈونیشیا کے دینی اداروں میں حریت، جمہوریت اور احیاء اسلامی کی تحریک پھیلا دی۔ جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے انڈونیشی طلبا بھی بڑی تعداد میں مصر جاتے تھے اور یہ دیکھتے تھے کہ نہ صرف ازہر بلکہ پورے مصر پر جمال الدین افغانی اور محمد عبدہٗ کے نظریات چھائے ہوئے ہیں اور یہ لوگ اسلامی تعلیمات کی اساس پر عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایک ترقی پذیر معاشری نظام تشکیل دینے کی جد و جہد کررہے ہیں تو وہ قدرتی طور پر اس سے بہت متاثر ہوتے تھے اور جب یہ لوگ اپنے وطن کو واپس آتے تو وہاں بھی اسلامی دنیا کے نئے رجحانات کی اشاعت کرنے لگتے تھے۔ اسی طرح سیاسی بیداری اور اسلامی احیاء کی تحریک

انڈونیشیا میں بھی پھیل گئی تھی۔ انڈونیشیا کے ممتاز ترین رہنما اور علماء تجدید پسند اور روشن خیال تھے اور جمعیۃ المحمدیہ بھی تحریک تجدد کو فروغ دینے میں نمایاں حصہ لینے لگی۔

عقائد کی اصلاح

جمعیۃ المحمدیہ کے رہنما تحریک تجدد کے زبردست حامی تھے اور یہ جانتے تھے کہ مسلمانوں پر غیر اسلامی اثرات زیادہ تر ہی روانہ ہیں جو عقائد و اعمال کی مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہ اس سے بھی واقف تھے کہ غیر مسلموں کے علاوہ خود مسلمانوں میں بھی کون عناصر ان غیر اسلامی اثرات کو تقویت پہنچانے کے ذمہ دار ہیں لیکن محمدیہ کے رہنماؤں نے تصوّف کی مخالفت نہیں کی، بلکہ عوام پر صوفیوں کے بُرے اثرات کو زائل کرنے کی کوشش کرنے لگے اور ان کو تصوّف کا مقصد یہ بتلایا کہ انسان کا قلب اور روح ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہو۔ جمعیۃ المحمدیہ کے رہنماؤں کا یہ خیال تھا کہ مسلمانوں کی گمراہی کا بڑا سبب یہ ہے کہ اسلام کی وہ سادہ شکل اب باقی نہیں رہی جو آغازِ اسلام میں تھی۔ اسلام کی سیدھی سادی تعلیم کو تو ہر شخص سمجھ سکتا تھا لیکن جب مسلمانوں میں بھی مذہبی طبقہ بن گیا تو اس نے طرح طرح کی موشگافیاں کر کے مذہب کو نہایت پیچیدہ بنا دیا اور کم فہم عوام یہ تصوّر کرنے لگے کہ مذہب صرف مذہبی طبقے کے سمجھنے کی چیز ہے اور عام آدمی کا کام بس یہی ہے کہ وہ مذہبی طبقے کا حکم مانے اور ان کی کورانہ تقلید کرے۔ اس طرح عوام کے لیے اسلام کو صحیح طور پر سمجھنا دشوار ہو گیا اور کم علم، کج فہم اور تنگ نظر مذہبی لوگ ان کو گمراہ کرنے لگے اور ان کے دل میں ایسے عقائد بٹھا دیے جو خود اسلام کے لیے خطرہ بن گئے۔ اس صورت حال سے نجات پانے کے لیے جمعیۃ المحمدیہ کے رہنماؤں نے دینی عقائد کی اصلاح پر پوری توجہ کی۔ انھوں نے اس بات پر بہت زور دیا کہ مذہبی طبقے کی کورانہ تقلید نہ کی جائے بلکہ قرآن اور حدیث سے رجوع کیا جائے جو دین کی اصل اور بنیاد ہیں۔ انھوں نے فقہ کی کورانہ تقلید کی بھی مخالفت کی اور اجتہاد سے پورا کام لینے پر پورا زور دیا۔ ان رہنماؤں نے فقہ کو یکسر مسترد نہیں کیا۔ بلکہ اس خیال کی حمایت کی کہ مختلف فقہا کی رائے کا موازنہ کر کے وہ رائے قبول کی جائے جو قرآن اور حدیث سے زیادہ مطابقت رکھتی ہو۔ مسلم عوام کے عقائد درست کرنے اور ان کی دینی اور معاشری زندگی کو غیر اسلامی اثرات سے پاک کرنے کے لیے جمعیۃ المحمدیہ یہ کوشش کرنے لگی کہ

صوفیوں اور ملاؤں کے گمراہ کن اثرات زائل ہو جائیں۔کورانہ تقلید ترک کر دی جائے اور اسلامی تعلیمات کو اس طرح پیش کیا جائے کہ لوگ ان کو سمجھ سکیں اور ان پر عمل کرنے لگیں۔

مدارسِ محمدیہ

نظامِ تعلیم کی اصلاح اور تعلیم کی وسیع اشاعت جمعیۃ المحمدیہ کا ایک اہم اور بنیادی مقصد ہے اس نے یہ کام بڑی خوبی اور کامیابی سے انجام دیا ہے۔ انڈونیشیا میں دو قسم کے تعلیمی ادارے موجود تھے ولندیزی اسکول اور دینی مدارس جو پیسنتران کہلاتے تھے۔ ولندیزی اسکولوں میں دینی تعلیم نہ ہوتی تھی اور دینی مدارس جدید علوم سے بالکل بے گانہ تھے۔ ان کے علاوہ عیسائی مبلغوں نے بھی جدید طرز کے اسکول قائم کیے تھے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کام کر رہے تھے۔ ان کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور مسلمانوں کے مدارس کے مقابلے میں عیسائی اسکولوں کو دو سو گنی رقم بطور امداد دی جاتی تھی۔ نظام تعلیم میں بہت بڑی خرابی یہ تھی کہ جدید طرز کے مدارس میں پڑھنے والے دین سے بالکل بے خبر ہوتے تھے اور دینی مدارس کے تعلیم یافتہ عصری علوم و فنون سے محروم رہ جاتے تھے۔ نظامِ تعلیم کی اس خرابی کو جمعیت المحمدیہ کے رہنماؤں نے شدت سے محسوس کیا اور یہ کوشش کی کہ جدید طرز کے مدارس میں دینی تعلیم بھی دی جائے اور دینی مدارس میں جدید علوم و فنون کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ لیکن حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا اور آخر کار احمد دحلان نے مدارس محمدیہ کے نام سے ایسے تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں جہاں دینی اور عصری علوم و فنون کی تعلیم اعلیٰ معیار اور جدید اصولوں کے مطابق دی جانے لگی۔ ان مدارس کی تعداد میں بڑی سرعت سے اضافہ ہونے لگا اور یہ سارے ملک میں پھیل گئے یہاں تک کہ چند سال کے اندر یہ مدارس انڈونیشیا میں تعلیمی اداروں کا وسیع ترین نظام بن گئے اور ملک کی تعلیمی ترقی میں انھوں نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔

اسلامی یونیورسٹی

جمعیۃ المحمدیہ نے ابتدائی اور ثانوی مدارس تو بڑی تعداد میں قائم کر دیے تھے لیکن اعلیٰ تعلیم کے لیے کوئی معقول انتظام نہ تھا اور ایک اسلامی یونیورسٹی قائم کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی تھی چنانچہ جمعیت کی پچیسویں کانگریس میں جو ۱۹۳۶ء میں منعقد ہوئی تھی، اس مقصد کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی اور اس نے اسلامی یونیورسٹی قائم کرنے کے متعلق تجاویز مرتب کر لیں مگر دوسری عالم گیر جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے یہ منصوبہ اس وقت پورا نہ ہو سکا۔ جنگ کے اختتام پر انڈونیشیا

آزادی کی جنگ میں مصروف تھا اور سب کی توجہ اسی پر مرتکز رہی۔ آزادی مل جانے کے بعد جب نئے دور کی عظیم ترین اسلامی تنظیم مجلس شوریٰ مسلمی انڈونیشیا (ماشومی) قائم ہوئی تو اس نے اسلامی یونیورسٹی کے منصوبے کو عملی شکل دی اور ۱۹۴۶ء میں جکارتا میں اسلامی یونیورسٹی انڈونیشیا قائم کی گئی۔ اس کے بعد جمعیۃ المحمدیہ نے مشرقی سماٹرا کے شہر پاڈانگ پنجانگ میں دوسری اسلامی یونیورسٹی ۱۹۵۵ء میں قائم کی۔ ان یونیورسٹیوں کے قیام سے اسلامی علوم کی اعلیٰ تعلیم کا معقول انتظام ہوگیا۔ اور یہ اسلامی یونیورسٹیاں دینی اور عصری علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم جدید اصولوں کے مطابق دینے لگیں۔

تربیت گاہیں

جمعیت نے جب مدارس محمدیہ قائم کیے تو وہاں تعلیم دینے کے لیے تربیت یافتہ استادوں کی تربیت کے لیے جمعیت نے کچھ تجاویز حکومت کو پیش کی تھیں جو مسترد کر دی گئیں۔ اور آخر کار جمعیۃ المحمدیہ کے رہنماؤں نے یہ فیصلہ کیا کہ اساتذہ کی مناسب تربیت کا انتظام بھی وہی کریں۔ چنانچہ استادوں کی تربیت کے لیے مدارس المعلمین اور استانیوں کی تربیت کے لیے مدارس المعلمات کے نام سے تربیت گاہیں قائم کی گئیں۔ ان اداروں میں تعلیم و تربیت کی مدت پانچ سال ہے اور مدارسِ محمدیہ میں انہی اداروں کے سند یافتہ مقرر کیے جاتے ہیں۔

اشاعت دین بھی جمعیۃ المحمدیہ کا ایک بنیادی مقصد ہے اور دینی عقائد کی درستی کے ساتھ ساتھ جمعیت یہ بھی کوشش کرتی ہے کہ لوگ غیر اسلامی رسوم و رواج کو ترک کر دیں۔ چنانچہ دینی اصلاح و تبلیغ کا کام کرنے والوں کی تربیت کے لیے جمعیت نے مدارس المبلغین اور مدارس المبلغات بھی قائم کیے ہیں۔ ان تربیت گاہوں میں چھ سال کی مدت پر مشتمل ابتدائی تعلیم حاصل کرنے والوں کو داخل کیا جاتا ہے اور یہاں دین کی اشاعت اور اصلاحِ معاشرت کا کام کرنے کے لیے تین سال تک تربیت دی جاتی ہے۔ ان تربیت گاہوں سے سند حاصل کرنے والے مردوں اور عورتوں کو دینی اور معاشرتی اصلاح کے شعبے میں مقرر کیا جاتا ہے۔

جمعیۃ العائشیہ

عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کی صحیح تربیت کو بھی جمعیۃ المحمدیہ نے اپنا ایک بنیادی مقصد

قرار دیا ہے اور اس کے لیے ابتدا ہی سے کام کر رہی ہے۔ انڈونیشیا کی آزادی کے بعد جب ماشومی نے عورتوں کو بھی مردوں کے مساوی سیاسی، معاشرتی، اور اقتصادی حقوق دینے کا فیصلہ کیا تو جمعیۃ المحمدیہ کے شعبۂ نسواں کی حیثیت سے خواتین کی ایک اسلامی تنظیم جمعیۃ العائشیہ کے نام سے قائم کی گئی۔ اس جماعت کے اہم مقاصد یہ ہیں کہ مسلمان عورتوں کو منظم کر کے ان کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ ان کو دینی اور عصری تعلیم اور امور خانہ داری کی تربیت دی جائے اور ان کے لیے تربیتی مراکز اور امدادی ادارے قائم کیے جائیں۔ بچّوں کی بہتر پرورش کرنا، جاہلانہ رسوم و رواج کو مٹانا اور طرزِ معاشرت کو اسلامی بنانا بھی اس انجمن کے اہم مقاصد ہیں اور یہ دینی اور معاشرتی اصلاح کے کاموں پر پوری توجہ کرتی ہے۔ مسلم خواتین کی اس تنظیم کی سرگرمیوں میں عسکری تربیت بھی شامل ہے، اور انڈونیشیا کی جنگِ آزادی میں اس نے جنگی خدمات بھی انجام دی تھیں۔

جماعت کی کامیاب پالیسی

جمعیۃ المحمدیہ کے رہنماؤں نے اس تنظیم کے لیے جو پالیسی اختیار کی ہے وہ ملکی حالات کے اعتبار سے نہایت موزوں ہے اور بہت کامیاب ثابت ہوئی ہے۔ یہ شرکت اسلام کی ایک ذیلی تنظیم کی حیثیت سے قائم کی گئی تھی اور آزادی کے بعد ماشومی سے مربوط ہو گئی۔ یہ دونوں اپنے زمانے کی عظیم ترین اسلامی تحریکیں تھیں اور سیاسی جدوجہد میں ہمیشہ پیش پیش رہیں۔ جمعیۃ المحمدیہ کے رہنما ان اسلامی تنظیموں کی مرکزی قیادت میں شامل رہے۔ ان سے پورا تعاون کیا اور اپنی جماعت کو ان سے مربوط رکھا لیکن جماعتی حیثیت سے جمعیۃ المحمدیہ سیاست سے بالکل الگ رہی اور اپنی سرگرمیوں کو مسلمانوں کی دینی، معاشرتی اور تعلیمی اصلاح و ترقی تک محدود رکھا۔ جمعیت کی یہ پالیسی اس کے حق میں بہت مفید ثابت ہوئی اور اس نے نازک ترین زمانوں میں بھی نہ صرف اپنا وجود باقی رکھا، بلکہ اپنی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے اور ملک و ملت کی گراں قدر خدمات انجام دینے میں بھی کامیاب ہوئی شرکت اسلام کا زوال جمعیۃ المحمدیہ کے لیے بڑی آزمائش کا وقت تھا لیکن اس نے اپنا کام بدستور جاری رکھا اور برابر ترقی کرتی گئی۔ ولندیزی حکومت کے آخری دور میں قومی جماعتوں کے لیے شدید ترین مشکلات پیدا کر دی گئیں تاہم جمعیۃ المحمدیہ ان سے محفوظ رہی اور اس کی سرگرمیاں جاری رہیں۔ انڈونیشیا پر جاپانی قبضے کے بعد بھی یہ تنظیم برقرار رہی اور اس دور کی ماشومی میں شامل ہو کر اس نے ملک کی

آزادی اور اسلامی مقاصد کی اشاعت کے لیے نمایاں کام کیا۔ آزادی کے بعد ماشومی کو انتہائی عروج حاصل ہوا اور اس تنظیم سے مربوط ہونے کی وجہ سے جمعیۃ المحمدیہ کی اہمیت اور اس کی سرگرمیوں میں بہت اضافہ ہوگیا۔ اور جب سوکارنو نے ماشومی کو غیر قانونی جماعت قرار دیا تب بھی جمعیۃ المحمدیہ قائم رہی اور اسلامی تحریک کے عامی تمام رہنما اس کی ترقی کے لیے کام کرنے لگے۔

حاجی احمد دحلان کے بعد حاجی منصور، حاجی امراللہ اور ڈاکٹر ابوحنیفہ اس جماعت کے قائد ہوئے اور اس کے موجودہ صدر حاجی احمد بدوی ہیں۔ ڈاکٹر ابوحنیفہ کی رہنمائی میں جمعیۃ المحمدیہ نے بہت زیادہ ترقی کی اور حصولِ مقاصد میں کامیاب ہوئی۔ ابوحنیفہ تحریک تجدد کے حامی اور روشن خیال عالم تھے۔ انھوں نے یورپ میں جدید علوم کی اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی تھی اور انڈونیشیا کے سب سے بڑے ماہر تعلیم تسلیم کیے جاتے تھے۔ جمعیۃ المحمدیہ کے تعلیمی اداروں کی تنظیم و ترقی کے لیے انھوں نے بہت کام کیا اور نظام تعلیم میں قدیم اور جدید علوم اور سائنس کو مناسب اہمیت دے کر اسے نہایت مفید بنا دیا۔ دینی و معاشری اصلاح، تعلیم کی اشاعت اور امدادی و خیراتی اداروں اور شفاخانوں کا قیام ایسی اہم اور مفید خدمات ہیں جن کی وجہ سے جمعیۃ المحمدیہ کو سارے ملک میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور یہ انڈونیشیا کی سب سے بڑی تعلیمی اور معاشری تنظیم اور اسلامی تحریک کی پشت پناہ بن گئی ہے۔

انڈونیشیا

از: شاہد حسین رزاقی

جمہوریۂ انڈونیشیا کا مکمل خاکہ جس میں تاریخی تسلسل کے ساتھ اس ملک کے حالات اور اہم واقعات قلمبند کیے گئے ہیں اور دینی، سیاسی، معاشی و ثقافتی تحریکوں، قومی اتحاد و استحکام کی جدوجہد، نئے دور کے مسائل اور تعمیر و ترقی کے امکانات جیسے تمام اہم پہلوؤں پر اس انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے کہ انڈونیشیا کے ماضی و حال اور مستقبل کا نہایت واضح نقشہ نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ قیمت قسم اول ۹ روپے۔ قسم دوم ۷ روپے۔

پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ۔ لاہور